جذب و فرار

شهناز مزمل

شعبہء لائبریری سائنس کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر

جذب و حروف

شہناز مزمل

تجدید اشاعت گھر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اول	اکتوبر 1990ء
تعداد	500ء
سرورق	شبہ طراز
قیمت	65 روپے
ناشر	تجدید اشاعت گھر
مطبع	ندیم یونس پریس موہنی روڈ لاہور

کمپوزنگ

دعا الفاظ گھر

46 ۔ آرماڈل ٹاؤن لاہور

ان کے نام

جو جذبوں کو حروف میں

میں ڈھالنے کا سبب بنے

شہناز کی دنیائے تخیل میں جنم لینے والے سچے جذبے ان ثمر بار شاخوں کی مانند ہیں جن کے نم دیدہ پتے بھٹکے ہوئے راہی کے قرطاس جمال پر شبنمی لمس رکھ دیں۔ شہناز کی شاعری خشبودار دھوپ کی طرح ہے۔ اس کی ہتھیلی پر ایک خوبصورت آشیانہ ہے۔ جس میں رہنے والی چڑیوں کے بال و پر نکل آئے ہیں۔ پو پھٹنے کے ساتھ پرندوں کا گیت اسے نادیدہ جہان کا دھیان بخشتا ہے۔

شہناز نے خیال پر زیادہ توجہ دی ہے۔ اس کے ہاں غزل اور نظم دونوں میں اس کے معصوم جذبوں کا عکس موجود ہے۔ ''قرض وفا'' اس کی شاعری سے ایک جھلک ہے۔

سعد اللہ شاہ

وہ مری زیست کا پیمبر تھا
لوگ کہتے ہیں وہ ستمگر تھا

وہ جو جھکتا تو کس طرح جھکتا
اس کے آگے انا کا پتھر تھا

میں نے پتھر پہ پھوڑ ڈالا سر
ایک قرضِ وفا مرے سر تھا

ایک بات

ابھی کل دوپہر ہی کی بات ہے جب میں اپنے ذہن میں ''جذب و حروف،، کے تعارف کے لئے خاکہ مرتب کر رہی تھی۔ میری ایک دوست جو شاعرہ بھی ہیں تشریف لائیں۔ ان کی اڑی اڑی رنگت اور نیم خوابیدہ سی آنکھیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے شب بیداری کی ہو۔ میں نے چونک کر پوچھا کیوں بھئی خیریت تو ہے ؟آج تو یوں لگتا ہے کہ تمام رات آمد ہوتی رہی ہے اور صبح سے اب تک تم ان کو قلم زد کرتی رہی ہو!! وہ ہنس پڑی اور بولی 11 بجے سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ تمہیں آنے میں دیر ہوئی تو ایک شاعری کی کتاب اٹھائی اور اس کے دیباچے کو پڑھ ڈالا۔ یہ رنگ ڈھنگ اس کا عطا کردہ ہے آپ یقیناً میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے -----

بہر حال ان کی اس بات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ایک شاعر میں طویل دیباچہ یا تعارف پڑھنے کے بعد اتنی سکت نہیں رہی کہ وہ باقی کتاب پڑھ سکے تو عام قاری اس کا کیسے متحمل ہو سکتا ہے۔ تو جذب کے اظہار کے لئے جو نثری حروف مرتب کر چکی تھی ان کو نہاں خانے میں ہی رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب بفضل تعالیٰ ''جذب و حروف'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ جذب ایک وجدانی کیفیت کا نام ہے اور احساس و مشاہدے کے بعد حروف اس کو زبان عطا کرتے ہیں اور شاعری میں ڈھالتے ہیں۔ شاعری انسانی جذبوں اور گہرے احساس کی تخلیق ہے۔ میرے لئے شاعری ذریعہ اظہار ہے اشعار ''بحر میں نہیں لہر'' میں کہے گئے ہیں۔ مجھے اپنی مبتدی ہونے کا اقرار ہے۔ شاعرہ ہونے کا دعویٰ نہیں اور جو کچھ بھی ان صفحوں پر بکھرا نظر آرہا ہے وہ افکار کی یورش ہے۔ والد صاحب (حشر القادری مرحوم) بھی شاعر تھے تو یہ چیز ورثے میں بھی ملی اور طبع آزمائی جاری رہی کیونکہ میں سوچتی ہوں معاشرے نے جو کچھ دیا ہے اس کو انہیں احساسات و جذبات کے ساتھ واپس بھی لوٹانا چاہیے اور یہ پر خلوص تحفہ معاشرے کے لئے ''جذب و حروف'' کی شکل میں پیش کر رہی ہوں بالکل اسی طرح جس طرح جذب حرفوں میں ڈھل کر کاغذ پر بکھرے۔

میں یہاں اگر اپنے بھانجے فیصل کا ذکر نہ کروں تو زیادتی ہوگی جس نے اس کتاب کے تمام اشاعتی مراحل اور دیگر امور میں بطور ننھے محقق مشیر معاونت کی۔ آپ کے پر خلوص مشوروں کا انتظار رہے گا

شہناز مزمل

فہرست

1 بصیرت ---------- 15
2 نگاہ منظر ---------- 17
3 سوچ ---------- 19
4 قرض وفا ---------- 20
5 یورش افکار ---------- 21

6 چاہت کے دیپ ---------- 22

7 تصویر ---------- 24

8 احساس ---------- 26

9 راتیں ---------- 29

10 جمود ---------- 30

11 کی رخصتی پر نذر ---------- 32

12 ننھی پری ---------- 34

13 دل وحشی ---------- 36

14 رفاقتوں کے سائے ---------- 38

15 شعلہ فشاں ---------- 40

16 ساتھی ---------- 42

17 آج اور کل ---------- 44

18 سفر ---------- 46

19 تاج محل ---------- 48

20 آواز ---------- 50

21 تغیر ---------- 52

22 نوید صبح ---------- 54

23 اندازہء احساں ---------- 56

24 آتش نوائی ---------- 58

25 بیتی باتیں ---------- 59

26 آس کا جنگل ---------- 60

27 فغاں اک ایسی نمایاں جو ---------- 65

28 اپنے ہی آپ کو بھلا رکھنا ---------- 66

29 سالک کی رہنما تو ہے عقل سلیم جب ------ 68
30 روشن جو ایک آنکھ سر بام ہو گئی ------- 69
31 درد کے ساتھ عطا صبر بھی کر دینا تھا ------ 71
32 اس تیرگی کے درد میں جینا محال تھا ------ 72
33 جوش اور ہوش نے دیوانہ بنا رکھا ہے ------ 74
34 پورا ہو گیا سب کا کوٹہ ---------- 75
35 کتنے گلشن ہیں کہ سنسان ہوئے جاتے ہیں ---- 76
36 نصیب تیرا بلندی پہ تجھ کو لے جائے ------ 78
37 جی حضوری میں اسے سرشار رہنے دیجئے ---- 79
38 زندگی جب فریب دیتی ہے ---------- 81
39 مرے خلوص پہ کیوں کاری وار کرنے ہو ----- 82
40 میری فطرت نے دھنک رنگ کی چنری رنگ کر -- 84
41 شاید مرے خلوص میں کوئی کمی سی ہے ----- 85
42 خودی کی جستجو کر خود نہ ہو تو اب محدود ------ 87
43 کس کس طرح سے اس کو بھی الجھا رہے ہو تم --- 88
44 اپنی ہر سوچ کی پرواز ہے آکاش تلک ------- 90
45 ہم جو آئے ہیں تو دامن کو بچانا کیوں ہے ---- 91
46 موت ظالم ہے کس قدر دیکھو ---------- 93
47 بے شک زمانہ مجھ سے گریزاں ہے آجکل ---- 94
48 عمر رفتہ عمر فردا ساعتوں کا کھیل ہے ------ 96
49 وقت نے ڈالیں دراڑیں فکر کی دیوار میں ---- 97
50 اپنے جیون کا ہر اک پہلو چھپایا ہم سے ------ 99
51 جیون کو راستہ نیا دکھلا رہی ہوں آج ------- 100

52 خدائے نور ہواؤں کا رخ بدل دے تو ------ 102
53 جو نہاں دل میں تھے افسانے زباں تک آ گئے ---103
54 تیرے ہونٹوں پہ تو رقصاں رہی مسکان مگر ----105
55 آج احساس کی دیوار گہراؤں کیسے -------106
56 دنیا نے جو دیا ہے بھلایا نہ جائے گا -------108

بصیرت

میں تیرا بندہ ہوں میرا یہ کام کر دینا
بصیر اپنی بصارت دوام کر دینا

کریم تیری کریمی کا واسطہ تجھ کو
تو اک نگاہِ کرم میرے نام کر دینا

قدیر قادر مطلق ہے کائنات کا تو
عطا تو قدرتیں رب الانام کر دینا

رحیم رحمتیں تیری ملیں جزاک الہ
تو رحمتوں کی درخشاں سی شام کر دینا

کبی میں چوم سکوں جا کے گنبدِ خضرا
تو ایک صبح کی ایسی بھی شام کر دینا

نگاہِ منتظر

میں تھی اس نگاہ کی منتظر
جو نصیب میرے جگا سکے
مجھے ساتھ لے کے سفیر رہ
سوئے عرش مجھ کو لے جا سکے

تھی تلاش میری بھی خوب تر
وہ نگاہ میری تھی منتظر
سوئے عرش مجھ کو وہ لے چلی
درِ خاص مجھ کو دکھا سکے

کیا پیش اس نے مجھے وہاں
پہ عظیم ہستی کے روبرو
کہ جھکا کے سر وہاں دوبدو
کتھا نازؔ اپنی سنا سکے

تھی یہ آرزو ذرا پوچھ لوں
نہ سنی گئی مری کیوں دعا
گئے سجدے کیا مرے رائیگاں
ترا عرش جو نہ ہلا سکے

تھا جلیل ہستی کا دبدبہ
کہ اٹھا سکی نہ نظر کو میں
ملا قرب اس کی جو ذات کا
تو لبوں کو میں نہ ہلا سکی

بڑی خامشی سے کی التجا
کہ عظیم ہے تری بار گاہ
مجھے بار گاہ میں دے اماں
نہ زمیں سے رکھ مرا رابطہ

سوچ

مرے ذہن کا مری سوچ کا
نیا راستہ تھا بنا ہوا
نہ یہاں کوئی بھی خیال تھا
جو بھی تھا ترا ہی جمال تھا

میں ہوں راہ رو تری راہ کا
مجھے رہبر تو کوئی ملا
کرے دور میرا وہ اک گلہ
مجھے اپنے آپ سے دے ملا

قرضِ وفا

وہ مری زیست کا پیمبر تھا
لوگ کہتے ہیں وہ ستمگر تھا
وہ جو جُھکتا تو کس طرح جُھکتا
اس کے آگے اَنا کا پتھر تھا
میں نے پتھر سے پھوڑ ڈالا سَر
ایک قرضِ وفا مرے سَر تھا

یورشِ افکار

مری سوچوں پہ پہرے ہیں زباں میری بھی اب چُپ ہے
میں اس افکار کی یورش کو لے کر اب کہاں جاؤں
مرے اندر دہکتا ہے الاؤ کیسے بتلاؤں
نہاں ہیں داغ سینے میں کسی کو کیسے دکھلاؤں
مری آنکھوں سے نیندیں چھین لی ہیں کربِ پیہم نے
بتا زخموں کا مرہم ڈھونڈنے میں کس جگہ جاؤں
مری راہوں کے سارے نقش مدھم ہو گئے ہیں اب
مرے ساتھی بھی تھک کر راستے میں سو گئے ہیں اب
مجھے بتلا مسیحا ڈھونڈنے تجھ کو کہاں آؤں
وگرنہ یہ ہی بتلا دے سکونِ دل کہاں پاؤں

چاہت کے دیپ

تم دیپ جلاؤ چاہت کے
ہم گیت سنائیں اُلفت کے
کچھ لمحے تو ہم اور تم بھی
آؤ نا گذاریں قربت کے
وہ وقت جو میرا تھا ساجن
وہ وقت جو تیرا تھا ساجن
کچھ اور نہ اسمیں شامل تھا
جب پل پل میرا تھا ساجن
وہ وقت کہ جلدی بیت گیا

جیون سے لے کر پیت گیا
میں جب بھی تیری تھی سجنا
میں اب بھی تیری ہوں سجنا
جیون کی ہر اک مشکل میں
تُو ساتھ مجھے ہی پائے گا
میں ساتھ چلوں گی سنگ ترے
تو جہاں کہیں بھی جائے گا
اپنے سارے تو دُکھ دے دے
مجھ سے سارے تو سُکھ لے لے
بس ایک مدھر مُسکان پیا
اپنے ہونٹوں پہ سجا رکھنا
تو میرے سُونے جیون میں
پڑ جائے گی جان پیا

وعدہ اپنا نبھاؤنا

اب لوٹ کے جلدی آؤنا
میں دیپ جلا کے بیٹھی ہوں
میں آس لگا کے بیٹھی ہوں
میں متوالی ہوں گیتوں کی
کچھ گیت سُنانے آؤنا
مجھ کو منانے آؤنا
دُکھ میرا کم کر جاؤنا
اب آؤنا۔ اب آؤنا

تصویر

اے مصور تری تصویر کی تعریف کروں
تری تصویر ہے عکاس تری فطرت کی
تری تصویر تری ذات کا حصہ ہو گی
تری تصویر ہے رنگوں سے سجی ایک دلہن
اپنی تصویر کو تو یونہی سجائے رکھنا
یہی تصویر تری وجہ ء شہرت ہو گی
یہی تصویر ترے درد کا درماں ہو گی

اے مصوّر تری تصویر ادھوری ہے ابھی

حس نازک کو ترے کوئی جنوں چھیڑے گا
ایک خاکہ سا ترے ذہن میں پھر ابھرے گا
اسی خاکے میں تو بھر دینا لہو کی سرخی
اور یوں جذب کی تصویر بنا دینا تو

اے مصوّر تری تصویر مکمل ہو گی

احساس

یوں تو ہر لمحے تیرا ساتھ میری چاہت ہے
تیرا احساس تیرا پیار میری جبت ہے
پھر بھی کچھ لمحے تیرے بن بھی گزارے میں نے
وقت کا کرب اکیلے بھی سہا ہے میں نے

آج جیون کی کڑی دھوپ میں چلتے چلتے
تھک گئے پاؤں مرے آگ میں جلتے جلتے
آبلہ پائی سے آزردہ نہیں ہوں جاناں
تلخی دور سے درماندہ نہیں ہوں جاناں
عزم بھی دل اور عزم سفر بھی جاناں
وقت کی گردنے راہوں کو مری ڈھانپا ہے
جانے کیوں روح مری آج تھکی جاتی ہے
راہ جیون کی ہر اک دھندلی ہوئی جاتی ہے
مرے جیون کے ہر اک پل متحرک رہ کر
بڑھ کے منزل کی ہر اک راہ کو اپنایا ہے
روح زخمی ہے اور احساس کرب جاگا ہے
مر گیا کچا مری روح کا ہر تاگا ہے
میرے اپنے جو مری روح میرا جیون ہیں
آج ڈسنے کیلئے ناگ بنے جاتے ہیں
میرے اعصاب شکنجے میں کسے جاتے ہیں
میری چاہت کو غلط رنگ دیئے جاتے ہیں
کیوں نہیں ان کو یہ احساس کہ سارا جیون
صرف ان ہی کیلئے میں نے بیتایا اب تک
صرف ان ہی کیلئے خود کو تھکایا اب تک
ان کی ڈور بندھی رہی ہر اک سانس کے ساتھ
پھانس بھی چبھتی رہی آس کی ہر اک سانس کے ساتھ

میں بھی انساں ہوں سینے میں دھڑکتا دل ہے
اپنے ارمانوں کو سینے میں چھپا کر اب تک
اپنے جذبات کو ہر اک سے چھپا کر اب تک
چاہتیں بانٹیں ہیں دنیا کو محبت دی ہے
خود ٹھٹھرتی رہی دنیا کو حرارت دی ہے
آج کچھ کرب مرا آؤ ذرا بانٹ بھی لو
اس سے پہلے کہ چھنا کے سے مرا دل ٹوٹے
کرچیاں اس کی بکھر جائیں ترے پاؤں تلے
رکھ تو آہستہ قدم بڑھ کے مجھے تھام بھی لے
میرے ہم راہی تو ہمت سے ذرا کام تو لے
تیری بھرپور محبت جو مری رہبر ہے
اک نیا عزم جگا دے گی میرے جیون میں
آ بھی جاؤ نا ذرا دیر میرے ساتھ چلو
تھک کے بیٹھو نہ ذرا میرے ساتھ چلو

راتیں

ٹھنڈی چاندنی راتوں نے
برکھا نے برساتوں نے
جیون کو رنگین کیا
ان ہی پیاری باتوں نے

پُروا کیسے اٹھلائی
بدری بھی گھر گھر آئی
کیوں بن میں ناچا مور
کیوں کرے پپیہا شور

من پہ چلے نہ زور
الجھ گئی ہے سلجھی ڈور
من کو ہے غمگین کیا
برھا کی لمبی راتوں نے

غزل

پھر اک جمود سا طاری ہے تیری محفل میں
یہ کس لئے مہ و انجم میں روشنی کم ہے

پھر ایک شب کو درخشاں کیا ستاروں نے
یہ آج کیوں مہ تاباں کی چال مدھم ہے

یہ بَن میں کس لئے پُرحول سی خموشی ہے
پھر آج ننھے پرندوں کی آنکھ پُرنم ہے

چھپا ہے کیوں یہ ستارہ پھر آج بدلی میں
سیاہ رات کی زلفوں میں کیسا یہ خم ہے

نہ دل گرفتہ ہو رفتار اپنی ٹھیک بھی کر
کچھ اور تیز تو چل وقتِ زندگی کم ہے

---- کی رُخصتی کی نذر

تُو نے تو ساتھ نبھانے کی قسم کھائی تھی
چھوڑ کر مجھ کو نہ جانے کی قسم کھائی تھی
کِسطرح ہو گئی مجبور بتا دے مجھ کو
تو نے پیمان نبھانے کی قسم کھائی تھی

اب بھلا کیسے گذاروں گا یہ باقی جیون
زندگی میری بنی اور کسی کی دُلہن
بے بسی اپنی تجھے کیسے بتاؤں جاناں
داغ سینے کے بھلا کیسے دکھاؤں جاناں
دردِ دل جا کے بھلا کس کو سناؤں جاناں
گر بتاؤں تو بھلا کس کو بتاؤں جاناں
کتنا مجبور ہوں میں حرفِ شکایات لئے
اپنے ہونٹوں کو مری جان سیئے بیٹھا ہوں
اشک اور خون کے آنسو بھی پئے بیٹھا ہوں
شکوہ تجھ سے نہیں قسمت سے کئے بیٹھا ہوں
میرا اب کوئی بھی حق باقی نہیں ہے تجھ پر
قرض کوئی بھی مرا باقی نہیں ہے تجھ پر
تیرے ہر نُور تقدّس کی قسم کھاتا ہوں
الوداع کہہ کے کہیں دُور چلا جاتا ہوں

ننھی پری

وہ حسیں بارہ ستمبر کا تھا لمحہ جس میں
ایک ننھی سی پری چھم سے اتر آئی تھی
میری گڑیا تجھے یوں دل میں بسا رکھا ہے
تیری یادوں سے ہی پردیس سجا رکھا ہے

تیری تصویر ہے پردیس میں میری ساتھی
تیری تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے
اے مری ننھی کلی کیا میں تجھے پیش کروں
ہے تری سالگرہ یاد تری آتی ہے
لے کے آیا ہوں دعاؤں سے بھری میں جھولی
چاہتا ہوں کہ میں نذرانہ تجھے پیش کروں
ہیں دعائیں ترے بھیا کیلئے بھی اسمیں
نائمہ اور عمارہ کو بھی حصہ دینا
اپنی امی کو ستانا نہ کبھی تم بچوں
اپنے پاپا کے تحفظ کی دعائیں کرنا

دلِ وحشی

دلِ وحشی تو بتا اپنی اداسی کا سبب
خوار مجھ کو نہ کہیں کرنا ہمیشہ کے لئے
یہ ترے ناز یہ نخرے یہ ادائیں توبہ
یہ ترے روٹھنے منّنے کی ادائیں توبہ

بول اب کیسے سہوں اور جفائیں تیری
کیوں نہیں سنتا مری جان صدائیں میری
کیوں تری دھڑکنیں بے ربط نظر آتی ہیں
رازِ پنہاں ہے جو دنیا کو وہ دکھلاتی ہیں
عمرِ رفتہ کے سبھی خواب سمیٹے میں نے
اور ان سب کو کہیں دل کے نہاں خانوں میں
ایک مدفون خزینے کی طرح رکھا ہے
کیا نہیں تجھ کو ذرا سا بھی یہ احساس کہ تو
میرے ہر راز کو دنیا پہ عیاں کر دے گا
آ کے دو چار گھڑی پاس مرے بیٹھ بھی جا
ہم سخن بن کے مرا درد ذرا کم کر دے
آگ بھڑکے نہ کہیں لو ذرا مدھم کر دے

رفاقتوں کے سائے

یہ محبتوں کی دنیا یہ رفاقتوں کے سائے
مجھے ڈر ہے میرے ہمدم کہیں تو بدل نہ جائے
میں بھی جرسِ کارواں کے رہی سنگ سنگ چلتی
یہی ڈر کہ میرا رہبر کہیں رہ بدل نہ جائے

کڑی دھوپ کی مسافت مرے عزمِ نو نے کاٹی
میرا ساتھ دینے والے مرے ساتھ چل نہ پائے
مری منزلوں کے رستے رہے جگمگاتے ہر دم
میری جستجو نے ہر دم نئے راستے بنائے
وہ تجاہل و تغافل جو رہا ہے ترا شیوہ
ہمیں بھول جانے والے تجھے ہم نہ بھول پائے
تری رحمتوں کے صدقے مرا اک سوال تجھ سے
اے جہاں بنانے والے برے لوگ کیوں بنائے
جو ملی ہے تجھ کو عظمت تو یہ کیسے تو نے سوچا
جو دعا نہ ہو بڑوں کی کبھی کچھ بھی بن نہ پائے

(3)

غزل

شعلہ فشاں

کیا غم ہے اگر روح میری شعلہ فشاں ہے
اس شعلہ فشانی میں بھی پیغام نہاں ہے

افکار کو جذبات کی گرمی سے نہ تولو
کیا یہ بھی کوئی مسئلۂ سود و زیاں ہے

نہ گل میں مہک اور نہ کانٹوں میں چبھن ہے
ملتا نہیں گلشن کا جو اک روحِ رواں ہے

تاروں میں نہیں چاند میں پھولوں میں نہیں ہے
کچھ بول مسیحا تو چھپا جا کے کہاں ہے

اک اور نئی بستی کہیں کیوں نہ بسا لیں
اس منزلِ دیرینہ کا مٹتا نہ نشاں ہے

شہناز کے انداز میں اک ناز ہے دیکھا
کہ اس کے تصور میں تو خوشبو کا جہاں ہے

ساتھی

عظیم کیسے ملے مجھ کو ہمدم وساتھی
وہ عزمِ نو کو اُجالوں میں ڈھالنے والے
رہِ حیات کو پھر سے اُجانے والے
رفیق ہیں وہ مرے ہم سفر مرے ساتھی

شدید کرب سے مجھ کو نکالنے والے
جہاں کی تیز تپش میں سنبھالنے والے
وہ اِضطراب کی زحمت کو ٹالنے والے
رفیق ہیں وہ مرے ہم سفر مرے ساتھی

ہر ایک لمحہ جو گزرا ہے ان کی قُربت میں
میری حیات کا وہ جاودان لمحہ تھا
حسین لمحے بھلا کیسے بھول سکتے ہیں
وہ پیارے دوست بھلا کیسے بھول سکتے ہیں

وہ محفلیں وہ رفاقت جو اب ہے خواب ہوئی
رفاقتیں وہ محبت جو اب ہے خواب ہوئی
دلوں کے بند دریچوں کو کھٹکھٹاتی ہے
گئے دنوں کی حسین یاد بھی دلاتی ہے

اب آؤ کچھ تو سمے پھر سے ساتھ دے دونا
اسی سمے کو چھپا کے کہیں میں رکھ لوں گی
حسین یادوں کو من میں سجا کے رکھ لوں گی
رہِ حیات میں جب بھی کوئی سقم آیا
اسی لمحے کو میں امرت سمجھ کے پی لوں گی

آج اور کل

~~آج اور کل~~

کل میرا اپنا تھا جاناں
اور آج ہے تیرا سب جاناں
اب کل اور آج کے چکر میں

میں اُلجھی اُلجھی بیٹھی ہوں
کل اچھا تھا میرا جاناں
اور آج بھی روشن ہے میرا
کل سوچیں میری اپنی تھیں
پر آج یہ پہرہ ہے تیرا
تو اچھا میرا ہمدم ہے
تو اچھا میرا رہبر ہے
ہے فخر مجھے تو میرا ہے
مرے پل پل کا ساتھی ہے
پر کل تھا میرا اکل کے لئے
میں آج بھی بے کل ہوں جاناں

سفر

جیون کا کتنا لمبا سفر
ہم نے مل کر کاٹنا ہے
کیا اب بھی مجھے اپنا کہتے
تو دنیا سے شرمائے گا
تو میرا ہے میرے ساجن
تو میرا ہی کہلائے گا
سب دکھ سکھ اپنے بھول کے اب
تو میرے سنگ ہی آئے گا

میرا اپنا بن جائے گا
یا جھوٹے سچے وعدوں سے
تو اب بھی مجھے بہلائے گا
ہر بیتا ہوا لمحہ آکر
یاد اپنی جب بھی دلائے گا
یادوں کا تلاطم سینے میں
اک آگ نئی سلگائے گا
یادوں کے تپتے صحرا میں
اب ہمدم میرے تو ہی بتا
کون وہ مرہم ہوگا جو
اس حدت کو پگھلائے گا
تیری چاہت کی گرمی سے
تیری الفت کی شدت سے
ہر زخم مرا بھر جائے گا
ہمراہی میرے اے سجنا
اک وقت تو وہ بھی آئے گا
تو دنیا کو ٹھکرائے گا
اور میرا ہی کہلائے گا

تاج محل

ایک انجان سی دنیا کا حسیں تاج محل
جسے جیون کی حسیں راہ گذر پہ دیکھا

ایک مُبہم سی تمنا مری موہوم اُمید
دور گوشے میں مرے دل کے اچانک جاگی

رُک کے اس خواب کی تعبیر کو میں دیکھ تو لوں
اس کے اجمالِ فسوں خیز کی تعریف کروں

اس کے پُر نُور تقدّس کے حسیں خالق کو
کس طرح نذرِ عقیدت کی مدح پیش کروں

میری ششدر سی نگاہوں کو پریشاں پا کر
یاس سے حضرتِ مجذوب نے پوچھا آ کر

جذب و مستی کی بقاء تُو نے کبھی دیکھی ہے
عشق و ہستی کی فنا تُو نے کبھی دیکھی ہے

فلسفہ جذب و فنا کا جو سمجھ جائے تو
پھر تو بن جاتے ہیں کتنے ہی حسیں تاج محل

آواز

ایک آواز جو اکثر مجھے تڑپاتی تھی
میرے احساس کی دنیا میں بسا کرتی تھی
میرے افکار میں اک رنگ نیا بھرتی تھی
اک دن میں اسی آواز کے پیچھے پیچھے
کہیں انجان سی راہوں پہ نکل کے چل دی
وقت کا سیلِ رواں بھی نہ مرے ساتھ رہا
نہ ہی آہٹ پہ کسی کی کبھی مُڑ کے دیکھا
میں اکیلی تھی رہی ساتھ مری تنہائی

راہ اَن دیکھی تھی مدہم سی رہی بینائی
بس وہ آواز فسوں خیز بنی جاتی تھی
آس انجان سی منزل کی وہ دکھلاتی تھی
دیپ ہر راہ میں روشن وہ کئے جاتی تھی
مجھ کو اکسائے نئی سمت لئے جاتی تھی
مجھ پہ آواز کا کچھ ایسا فسوں طاری تھا
راز پا لینے کا کچھ ایسا جنوں طاری تھا
کوئی بھی چیز مری راہ میں حائل نہ ہوئی
تندیٔ باد مخالف سے بھی گھائل نہ ہوئی
مرے جذبات کے دھارے نہ کوئی روک سکا
کوئی بھی تند و بلا خیز امڈتا طوفان
وہی آواز مرے شوق کو بھڑکاتی تھی
سوئے منزل مجھے دوڑائے لئے جاتی تھی
تھک کے ہانپی بھی پڑے پاؤں میں چھالے اکثر
ہیچ تھے کوہ گراں عزم سفر میں آکر
اسی آواز فسوں خیز نے دی آ کے نوید
خود خدا ہوتا ہے اس فرد کی شہ رگ کے قریب
جن کے جذبے ہوں جواں اور لگن سچی ہو
ایسے افراد کی کاوش سے نہیں کچھ بھی بعید

غزل

تغیّر

اپنی ہستی کے تغیر پہ نظر ہے میری
کس لئے ہو گئی محدود ذرا جان بھی لوں
کتنے کم ظرف ہیں کچھ لوگ یہاں میں اب بھی
کھول کے آنکھیں ذرا ان کو میں پہچان تو لوں

ہے تلاطم سا بپا آج میرے سینے میں
ڈوب جاؤں نہ کہیں ساتھ میں گیان بھی لوں
تو مرے ساتھ کا ہر لحظہ اڑاتا ہے مذاق
اور کہتا ہے کہ میں اپنا تجھے مان بھی لوں
جب مرے حلقے کو تو کہتا ہے مجمعِ جاناں
جی یہ چاہے کہ مر جاؤں تری جان بھی لوں
طرز کے تیر سے کرتا ہے مجھے تو گھائل
بڑھ کے کہتا ہے کہ رہ داری کا سامان بھی لوں
ہو گیا کافی مجھے اب تو بلا لے واپس
دل نہیں چاہتا کہ اب غیر کا احسان بھی لوں

غزل

نویدِ صبح

طلوعِ صبح اک نوید بنکر جہاں کو یوں جگمگا رہی ہے
اندھیری راتوں کی ظلمتوں کو ردا میں جیسے چھپا رہی ہے

جو نور اس نے فضا کو بخشا وہ تو مظہر ہے عظمتوں کا
عظیم رب کا عظیم جلوہ عظیم صبح اک دکھا رہی ہے

مہک ملی ہے گلوں سے اس کو بنی ہے گل ہر کلی چٹک کے
صبا بھی ہر سو لہک لہک کے ترانے اس کے ہی گا رہی ہے

یہ خوبرو خوشنما پرندے پھدک رہے ہیں جو ڈالی ڈالی
یہ کالی کوئل یہ مینا پیاری چمن میں نغمے لٹا رہی ہے

یہ ساز کیسا بجا ہے بن میں یہ شور کیسا ہے انجمن میں
گھٹا یہ کالی گرج برس کے فضا کو کیسے جلا رہی ہے

خزاں نے مایوں کا زرد جوڑا پہنا دیا تھا ہر اک شجر کو
بہار چن چن کے سبزہ و گل عروس نو سجا رہی ہے

پیا کہاں ہے پیا کہاں ہے پپیہا یہ پوچھتا ہے سب سے
بہار آئی بہار آئی صباء یہ مژدہ سنا رہی ہے

اندازہء احساں

اندازہء طوفاں ہو نہ سکے
تو درد کا درماں کیسے ہو
آگاہ نہیں اپنے سے بشر
طے جادہء عرفاں کیسے ہو

سودا ہے سمایا مغرب کا
اقدار ہیں اپنی کھو بیٹھے
احساس زیاں جب مٹ جائے
انسان پشیماں کیسے ہو

پرکھوں نے گنوا کر جاں اپنی
مضبوط فصیلیں دیں تم کو
حق سمجھا تم نے ہر شے پر
اندازہ ء احساں کیسے ہو

آتش نوائی

میری زیرک نگاہوں سے
حقیقت چھپ نہیں سکتی
حقیقت کو بیاں کرتی
زباں تو رک نہیں سکتی
مری آتش نوائی پر
مجھے تم درگذر کرنا
میں ہوں مجبور عادت سے
یہ عادت چھٹ نہیں سکتی

بیتی باتیں

بیتی باتیں
بیتی یادیں
بیتے دن
اور
بیتی راتیں
سوچیں سپنے
جیت اور ماتیں
غم پہ مائل کر دیتے ہیں
من کو گھائل کر دیتے ہیں

آس کا جنگل

اک آس کے جنگل میں کھو کر
میں اپنا آپ گنوا بیٹھی
رُخ موڑا سُکھ کی چھایا نے
نِت جوت غموں کی جگا بیٹھی

اِس جگ سے پریت لگا بیٹھی
میں کیسا دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

تاریک تھا آسوں کا جنگل
منزل کی راہ بھلا بیٹھی
اِک پیار کا دیپ جلا کر میں
اب سارے دیپ بجھا بیٹھی

میں کاہے روگ لگا بیٹھی
میں کاہے دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

میں بے بس ہوں مَن بے قابو
اِن نینوں میں تھا کیا جادُو
بِن سوچے بِن سمجھے آئی
میں اپنا اُس کو بنا بیٹھی

تَن مَن کی سُدھ بِسرا بیٹھی
میں کاہے دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

مقصد پانے کی جلدی میں
میں ریت پہ نقش بنا بیٹھی
بِن سوچے سمجھے منزل کے
سب رَستے آپ مِٹا بیٹھی

اِس جگ سے پریت بڑھا بیٹھی
میں کاہے دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

یادوں میں اُس کی کھو گئی میں
چپکے سے اُس کی ہو گئی میں
میں آ کر اُس کی باتوں میں
سُکھ اور چین گنوا بیٹھی

میں دل میں پریت بسا بیٹھی
میں کاہے دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

مَن اندر بیٹھا پی میرا
رَٹ پی پی کی میں لگا بیٹھی
مَن کا دروازہ بند کر کے
میں کاہے پی کو بھلا بیٹھی

انجان تھی دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے روگ لگا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

مَن کا دروازہ کھول پیا
تُو اندر میرے بول پیا
سَنگ ہے تیرا انمول پیا

اب بول پیا اب بول پیا
مَن کا دروازہ کھول پیا

سب رشتے ناطے توڑ چکی
میں دُنیا سے مُنہ موڑ چکی
اب تیرے دوارے آ بیٹھی
اِس جگ سے پریت ہٹا بیٹھی

انجان تھی دھوکا کھا بیٹھی
اب جگ سے پریت ہٹا بیٹھی
اب تیرے دوارے آ بیٹھی

مُکھ اب تو اپنا کھول پیا
نہ عمل کو مرے تول پیا
دُکھ جیون میں نہ گھول پیا
اب بول پیا اب بول پیا
میں تیرے دوارے آ بیٹھی
اِس جگ سے پریت ہٹا بیٹھی

نادان تھی دھوکا کھا بیٹھی
اب جگ سے پریت ہٹا بیٹھی
مُکھ اب تو اپنا کھول پیا
اب بول پیا اب بول پیا

۵

فغاں اک ایسی پنہاں ہو مری آتش نوائی میں
پرانی رسم کے سارے سلاسل موڑ ڈالے وہ
بنا کے گرمیِ افکار کا اک تیز رو بھالا
مری ہستی کے ہر سنگِ گراں کو توڑ ڈالے وہ

اپنے ہی آپ کو بھلا رکھنا
یہ رویہ سدا روا رکھنا

سوئی خواہش کو جاگنے دینا
دل پہ پہرے نہ تم بٹھا رکھنا

بھید دل کا نہ کھول دیں آنکھیں
چلمنوں کو ذرا گرا رکھنا

تاب دل کو نہیں ہے لمحہ بھر
اب نہ صدیوں کا فاصلہ رکھنا

زندگی نام ہے تسلسل کا
منزلوں تک یہ سلسلہ رکھنا

کون جانے وہ پھر پلٹ آئے
آخرِ شب دیا جلا رکھنا

لاکھ شہناز مشکلیں آئیں
زندہ رہنے کا حوصلہ رکھنا

سالک کی رہنما تو ہے عقلِ سلیم جب
کرتی ہے پیش سامنے قشرِ وجود کو
اسرارِ ھست و بود میں کھو جاتا ہے بشر
پھر ڈھونڈتی ہے خاک بھی اپنے نمود کو

روشن جو ایک آنکھ سرِ بام ہو گئی
کیا پھر سے کوئی صبح مرے نام ہو گئی

عمرِ دراز کاٹ کے مجھ کو ملا عروج
پہنچی جو بام پر تو مری شام ہو گئی

جوشِ جنوں میں بھول گئی اپنے آپ کو
آیا جو ہوش زندگی بھی خام ہو گئی

مجھ کو نہ شوق تھا کہ ہو پہچان یوں مری
ہوتے ہوئے بھی نام میں گمنام ہو گئی

شہناز تیری خواہشِ وارفتگی ہے خوب
پردہ اٹھا تو لرزہ بر اندام ہو گئی

(10)

○

درد کے ساتھ عطا صبر بھی کر دینا تھا
اس نے جیون کو مرے تلخ بنا رکھا ہے
جب بھی کرتے ہیں گِلہ رب سے یہی کہتے ہیں
اس نے کیوں وقت میں مرہم کو چھپا رکھا ہے

اس تیرگی کے دور میں جینا محال تھا
لیکن خدا گواہ تمھارا خیال تھا

ہر لحظہ تیری جاہ کو ترسا کیے ہیں ہم
ہم نے بسر کی عمر ہمارا کمال تھا

یوں ہنس کے سہ لیا ہے مقدر کا وار بھی
جیسے ہمارے زخم کا یہ اندمال تھا

جو کچھ ہمیں ملا ہے وہ تیری ہی دین ہے
تھی آس جس کی دید کی تیرا جمال تھا

یزداں کا در ہمیشہ رہا وا مرے لئے
شہناز ورنہ کوئی نہ پرسانِ حال تھا

(12)

جوش اور ہوش نے دیوانہ بنا رکھا تھا
اب نہ کہنا کبھی تم جوش میں آنے کے لئے
ہوش
ایسی انجانی خوشی ملتی ہے پاگل پن میں
جی نہیں چاہتا اب ہوش میں آنے کے لئے

پورا ہو گیا سب کا کوٹہ
میرا خواب ادھورا ہے
خواب ادھورا ہے تو کیا غم
ٹھاٹھ تو تیرا پورا ہے

کتنے گلشن ہیں کہ سُنسان ہوئے جاتے ہیں
بِن بسے دیکھئے ویران ہوئے جاتے ہیں

کس طرح ہوتی ہے تخلیق حسیں سی دنیا
صاحبِ عقل تو حیران ہوئے جاتے ہیں

آپ آزاد فضاؤں میں ہیں بسنے والے
کس لئے صاحبِ زندان ہوئے جاتے ہیں

خود بچھایا ہے حضور آپ نے افکار کا جال
اور اب خود ہی پشیمان ہوئے جاتے ہیں

ہم نے ناکام تمنا کا بھرم رکھا ہے
اپنے ارمانوں کا ہم مان ہوئے جاتے ہیں

نازؔ کچھ ایسے شناسا بھی ملے ہیں رہ میں
جانتے بوجھتے انجان ہوئے جاتے ہیں

نصیب تیرا بلندی پہ تجھ کو لے جائے
متاعِ ارض پہ ہرگز غرور مت کرنا
تو عاجزی کو ہی اپنا شعار کر لینا
ہر ایک بات پہ تو جی حضور نہ کرنا

(14)

جی حضوری میں اسے سرشار رہنے دیجئے
وہ تو ہے بیمار بس بیمار رہنے دیجئے

شر کو پھیلا کر نہیں شرمندہ وہ مردِ سخن
کر رہا ہے توبہ استغفار رہنے دیجئے

دوستوں کی دوستی میں پڑ نہ جائے پھر خلل
بادہ و ساغر سے اب انکار رہنے دیجئے

یہ تھا ارماں ہوں نہاں دنیا پہ میرے دل کے داغ
پر نہیں کچھ جراتِ اظہار رہنے دیجئے

ڈوبتے سورج کی سرخی پھیلتی دیکھی تو ہے
کسطرح بنتی دھنک اسرار رہنے دیجئے

رسمِ دنیا رسمِ الفت ہے فقط ہذیان بس
نازؔ اس زمرے میں اب تکرار رہنے دیجئے

15

زندگی جب فریب دیتی ہے
شدتِ غم سے مسکراتے ہیں
کتنے ناداں ہیں حضرتِ انساں
چوٹ کھاتے ہیں بھول جاتے ہیں

مرے خلوص پہ کیوں ایسے وار کرتے ہو
بنا کے دوست ہمیں دل فگار کرتے ہو

ہے دوستی کے پسِ پردہ دشمنی مقصود
بٹھا کے پاس ہمیں ذکرِ یار کرتے ہو

زمانہ ساز ہو آدابِ دوستی سمجھو
حبیب کہہ کے عدو میں شمار کرتے ہو

ثمر ملے گا وفاؤں کا ہم نے سوچا تھا
مگر جفاؤں سے تم زیر بار کرتے ہو

گذر گئے ہیں بہت لمحے رائیگاں اپنے
تم ان کو زیست کا حاصل شمار کرتے ہو

یہ شمعِ زیست پگھلتی ہی جا رہی ہے اب
صدائے ناز کا کیوں انتظار کرتے ہو

(17)

میری فطرت نے دھنک رنگ کی چنڑی رنگ کر
پیرہن زیست کا رنگین بنا رکھا ہے
رستہ دشوار ہے شہناز پر ~~اتنا بھی نہیں~~ مگر ہم نے
جس قدر آپ نے سنگین بنا رکھا ہے

محفل میں جو شیریں آہنگ کسی نے رکھا ہے

○

شاید مرے خلوص میں کوئی کمی سی ہے
اب کے مزاجِ ناز میں کچھ برہمی سی ہے

جن کے لئے زمانے کا ہر وار سہ گئے
آنکھوں میں ان کی آج یہ کیسی نمی سی ہے

اے برق رو زمانے ذرا اور تیز چل
رفتارِ وقت اس سے تھوڑی تھمی سی ہے

ساحل پہ کیسا شور ہے اے ناخدا بتا
کیا پھر سکوتِ بحر میں کچھ کھلبلی سی ہے

دنیا کو کھو کے تو جو پریشاں نہیں اگر
نازک مزاج کس لئے پھر برہمی سی ہے

جذبات اپنے لاکھ چھپا لے مگر اے ناز
حالات کہہ رہے ہیں کہ ان بن ٹھنی سی ہے

(19)

خودی کی جستجو کر خود نہ ہو تو اب محدود
خودی کی موت نہ بن رفعتوں کا پیکر بن
مٹا کے خود کو بقائے دوام حاصل کر
حجاب چھوڑ دے باطل کی راہ کا پتھر بن

کس کس طرح سے اس کو بھی الجھا رہے ہو تم
گویا کسی شیطان کو بہکا رہے ہو تم

ہم نے تو صدق دل سے دیا تھا تمہارا ساتھ
کیوں پُر فریب دام میں الجھا رہے ہو تم

کیوں تم میں اک ذرا سی بھی انسانیت نہیں
بلوا کے ہم کو اور کہیں جا رہے ہو تم

کیوں تم کو ہے گلہ کہ تمہارا نہیں کوئی
خود بھی تو بزم غیر سے سجوا رہے ہو تم

غیروں کو اپنا جان کے بیگانے ہو گئے
اپنی اسی خطا کی سزا پا رہے ہو تم

(21)

اپنی ہر سوچ کی پرواز ہے آکاش تلک
ہم تو اک عزم جگاتے ہیں زمانے بھر میں
درس دیتے ہیں بھلائی کا زمانے بھر کو
کس لئے نظم نہیں آج خود اپنے گھر میں

ہم جو آئے ہیں تو دامن کو بچانا کیوں ہے
غیر ہونے کا تو احساس دلانا کیوں ہے

پیش کر کوئی غزل کوئی اچھوتا سا خیال
ہم ہیں بے تاب تو اب دیر لگانا کیوں ہے

تشنگی اپنی بھی کچھ اور بڑھی جاتی ہے
چھیڑ دے نغمہ کوئی اور سناتا کیوں ہے

لے ہے خاموش نواؤں میں کوئی جوش نہیں
آج یاروں سے بھی مضراب چھپاتا کیوں ہے

ہم تو دیوانے ترے شعر و سخن کے لیکن
غیر پھر بزمِ طرب آج سجاتا کیوں ہے

موت ظالم ہے کسقدر دیکھو
تار جیون کے توڑ دیتی ہے
رنگِ ھستی نچوڑ لیتی ہے

بے شک زمانہ مجھ سے گریزاں ہے آجکل
مجھ کو نصیب قربت یزداں ہے آجکل

تاروں نے انجمن کو سجایا ہے اس طرح
کیا آنے والا پھر کوئی مہماں ہے آجکل

خورشید و ماہتاب بھی شرما رہے ہیں آج
یہ بزم کہکشاں بھی تو حیراں ہے آجکل

کلیوں نے پھول بن کے گلستاں سجا دیا
ہر راستہ چمن کا خیاباں ہے آجکل

اس کی اداؤں میں بھی ہے اک دلبری سی آج
باد بہار کس لئے رقصاں ہے آجکل

ظلمت شب سیاہ نے اپنی سمیٹ لی
شمع حیات پھر سے فروزاں ہے آجکل

قدرت نے تیری راہ میں شمعیں جلائی ہیں
تیری ہر ایک راہ درخشاں ہے آجکل

سب کچھ تری دعاؤں کے صدقے ملا مجھے
شہناز کس لئے تو پریشاں ہے آجکل

22

عمرِ رفتہ عمرِ فردا ساعتوں کا کھیل ہے
ساعتوں کے کھیل میں یوں بیت جاتی ہے حیات
زندگی فطرت کا ہے اک ارتقائی سا عمل
کب ہوا کیسے ہوا ذہنِ بشر کے توہمات

23

وقت نے ڈالیں دراڑیں فکر کی دیوار میں
پر نہ لا پایا تغیر وہ مرے افکار میں

کھو کے قدریں بن گیا ہے آج کا انساں غلام
گم ہوا جاتا ہے ہر اک حرص کے انبار میں

چھپ کے بیٹھا ہے پروں میں موند کے آنکھوں کو وہ
کوئی دلچسپی نہیں ہے گفتگوئے یار میں

پھول کی کلیوں کی باتیں اب اسے بھاتی نہیں
کیوں لبھاتا گل نہیں ہے اس کو لالہ زار میں

ہر گھڑی شہناز کیوں بے چین رہتی ہے بتا
کیا اسے اب چاشنی ملتی نہیں اشعار میں

○

اپنے جیون کا ہر اک پہلو چھپایا ہم سے
تو نے اک بار بھی وعدہ نہ نبھایا ہم سے

زندگی تیری تو رازوں سے بھرا بستہ تھی
دور بھاگا کبھی خود اپنا بھی سایہ ہم سے

ہم کو ہر زخم نیا جب بھی ملا تجھ سے ملا
سچ بتا دکھ کبھی تو نے بھی ہے پایا ہم سے

جیون کو راستہ نیا دکھلا رہی ہوں آج
خود کو میں پھر فریب میں الجھا رہی ہوں آج

منزل ہے سامنے ذرا کچھ اور تیز چل
دل کو دلاسہ دے کہ میں سمجھا رہی ہوں آج

غم سے مفر نہیں ہے کسی کو جہان میں
یہ کہہ کے اپنے آپ کو بہلا رہی ہوں آج

دل میں جلائے میں نے تری یاد کے چراغ
زخموں کو اپنے پھر سے میں سہلا رہی ہوں آج

خدائے نور ہواؤں کا رخ بدل دے تو
چراغِ فکر جلائے ہیں ہم نے راہوں میں
امن کی جنگ ہے اس کو لڑیں گے خالی ہاتھ
تلاش سانپ کریں گے پناہ گاہوں میں

(25)

جو نہاں دل میں تھے افسانے زباں تک آگئے
زخم کھا کے زندگی سے ہم کہاں تک آگئے

یہ نہ سوچا تھا کہ رسوا ہو زمانے بھر میں تو
سازِ دل چھیڑا خدا جانے کہاں تک آگئے

پھر جنہوں نے چاک کر ڈالا ہے دامانِ خرد
تذکرے میری وفاؤں کے زباں تک آگئے

میں سزاوارِ کرم ہر گز نہ تھی ربِ کرم
جب نوازا تو نے پیرِ فغاں تک آگئے

تیرے ہونٹوں پہ تو رقصاں رہی مسکان مگر
میں نے پلکوں پہ چمکتی ہوئی شبنم دیکھی
نوکِ مژگاں پہ سجے ننھے ستاروں کی قسم
اتنی پر سوز سی رنگین فضا کم دیکھی

آج احساس کی دیوار گراؤں کیسے
آگ سینے میں لگی ہے وہ بجھاؤں کیسے

داستانِ غمِ فرقت جو سنانا چاہوں
اپنے جذبات کو الفاظ بناؤں کیسے

آبنی جاں پہ تو اب جان بچاؤں کیسے
چیر کر دل میں تجھے اپنا دکھاوں کیسے

پردۂ ذہن پہ رقصاں رہے یادوں کے نقوش
یہ بتا دامنِ احساس چھڑاؤں کیسے

لوٹ کر کوچۂ جاناں میں نہ جاؤں میں اگر
پھر میں پیمانِ وفا آج نبھاؤں کیسے

دلِ بے تاب کو کچھ دیر سکوں مل جائے
بیتے لمحوں کو بھلاؤں تو بھلاؤں کیسے

جرمِ الفت پہ ندامت ہے مجھے اب شہناز
جو جھکا سر نہ کبھی آج جھکاوں کیسے

(28)

دنیا نے جو دیا ہے بھلایا نہ جائے گا
تجھ سے زمیں کا قرض چکایا نہ جائے گا

چہرے پہ اپنے لاکھ چڑھا لے تو گر نقاب
نیکی بدی کا فرق مٹایا نہ جائے گا

بپھرا ہوا مزاج ہے لہروں کا اس قدر
ہر ڈوبتا سفینہ بچایا نہ جائے گا

کوئی جگہ نہیں ہے دلِ داغ دار میں
اب مجھ سے کوئی زخم بھی کھایا نہ جائے گا

باندھا ترے فراق میں اشکوں نے ایسا تار
چلمن کے پیچھے ان کو چھپایا نہ جائے گا

ہے حوصلہ سخن کا مگر لفظ ہیں خموش
جو دل میں ہے نہاں وہ دکھایا نہ جائے گا

بِن بات روٹھ جاتے ہیں اکثر جناب آپ
روٹھوں گی میں تو تم سے منایا نہ جائے گا

کرتے ہیں اپنی ہستی کا انمٹ نشان ثبت
پھر ایسا نقش دنیا میں پایا نہ جائے گا

شہناز سارے رستوں پہ پہرہ سا ہے لگا
وعدہ کسی سے آج نبھایا نہ جائے گا

شہناز مزمل

ایم اے لائبریری سائنس
گورنمنٹ ماڈل ٹاؤن لائبریری لاہور

تصانیف

جرات اظہار (شاعری)
ارکان اسلام قرآن و سنت کی روشنی میں (نماز)
فروغ مطالعہ کے بنیادی کردار (لیکچرز مضامین)
لائبریریوں کا شہر لاہور (گائیڈ بک)
میرا خواب ادھورا ہے (شاعری زیر طبع)

میں آج کس لیے الفاظ کو ترستی ہوں
کہاں پہ کھو گئے میرے تمام جذب و حروف

شہناز مزمل نے زندگی اور کتاب دونوں کے ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھا ہے اس کا ایک عملی ثبوت انکی شاعری بھی ہے۔ ہمارے ارد گرد پھیلے ہوئے مسائل سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہے۔ جذباتی سطح پر یہ شاعری معصوم اور خاموش جذبوں کا اظہار ہے۔ انہوں نے دھیمے دھیمے لفظوں میں اپنے دل کی بات کہی ہے اور کبھی بلند آہنگ وعدے نہیں کیے۔ یہی مدھم مدھم لہجہ ان کا اسلوب خاص ہے۔

شہزاد احمد